ذیشان الحسن عثمانی

ادھورے گناہ

ادھورے گناہ

ذیشان اُلحسن عثمانی

Narratives Pvt.Ltd.

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : ادھورے گناہ
تصنیف : ذیشان الحسن عثمانی
سرورق : طارق ایم سجاد
اشاعت : فروری ۲۰۱۵ء
تزئین : زی گرافکس
قیمت :
تعداد : ایک ہزار
مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور
ISBN:

Narratives Pvt.Ltd.

پوسٹ بکس نمبر 2110، اسلام آباد
فون: 051-2806074
ای میل: info@narratives.pk
ویب سائٹ: narratives.pk

اِنتساب

اُس دیدۂ بِینا کے نام جو کسی بے دست و پا کو مِل جائے۔

کہا مشکل میں رہتا ہوں
کہا آسان کر ڈالو
کہ جس کی چاہ زیادہ ہو
وہی قربان کر ڈالو

کہا قلب میں آہیں
کہا اُس سے طلب مانگو
اٹھو تاریکیٔ شب میں
ذرا خونِ جگر ڈالو

کہا رازِ سکوں کیا ہے
کہا لوگوں کے دکھ بانٹو
جو چہرہ بے دھنک دیکھو
اُسے رنگوں سے بھر ڈالو

عِشق قاتل سے مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

(علامہ اقبال)

''جستجو کے سفر'' سے شروع ہونے والے اِس فرضی و اِصلاحی ناول کا یہ تیسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دوسرے حصے ''اندر کا مسافر'' میں جہاں اس ناول کے مرکزی کردار کی زندگی گرداب میں پھنسی رہی، وہاں اس تیسرے حصے میں وہ آپ کو اپنی منزل کی جانب رواں دواں نظر آئے گا۔

یہ کشمکش بڑی طویل ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں اِس کا ہر آنے والا موڑ آپ کو اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی ضرور نظر آئے گا۔

اپنی آرا و تنقید سے ضرور نوازیئے گا۔ zusmani78@gmail.com

عبداللہ آج کے دن کا بڑا اِنتظار کر رہا تھا، آج سلیکون ویلی کی ایک بڑی کانفرنس میں اُس کی تقریر تھی۔ عبداللہ نے رات بھر تیاری کی کہ اس کا سامنا اب دُنیا کے بہترین دِماغوں سے تھا۔

عبداللہ نے اپنی کمپنی کے وِژن اور سافٹ ویئر کے بارے میں بات کی اور ہجوم سے خوب داد وصول کی۔ تقریر کے بعد کئی ایک لوگ آگے بڑھے اور عبداللہ کو اپنے وزٹنگ کارڈ پکڑاتے ہوئے انوسٹمنٹ کی آفر کی۔ سب سے اچھی آفر ایک وی سی فنڈنگ کی بڑی کمپنی نے کی، 3 ملین ڈالر کی اور جواب میں صرف کمپنی کا 15 فیصد حصہ وہ لیں گے۔

دو روز بعد ملاقات کا وقت طے ہوا، عبداللہ دو دِنوں تک پلان بناتا رہا کہ ان پیسوں سے کیا کرے گا، کون سی ٹیم ہائر کرے گا اور کون کون سی پراڈکٹس کتنے عرصے میں بنائے گا۔

ملاقات کے دن انویسٹر صاحب نے کہا۔ عبداللہ ہم چاہتے ہیں کہ تم یہاں امریکہ میں آ جاؤ، یہیں ٹیم ہائر کرو، اور خوب محنت کرو، ہمیں کامیابی کا 100 فیصد یقین ہے۔

جی بہتر، مگر ٹیم تو میں پاکستان میں ہائر کروں گا۔ ہمارے ملک میں بہت ٹیلنٹ ہے۔

عبداللہ، دیکھو یہ ممکن نہیں۔ پاکستان میں آئے دن دنگے فسادات خودکش حملے اور پتہ نہیں کیا کچھ چلتا رہتا ہے۔ وہاں پیسہ لگانا رِسک ہے جو ہم نہیں لے سکتے۔ سال بھر میں پراڈکٹ بنا کے کمپنی کسی اور کو بیچ دیں گے، پھر تم جو چاہے کرنا پیسوں سے۔

''ہاں مگر کمپنی سال میں نہ بکی تو؟''

''تو کیا ہوا دو سال میں چار سال میں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔''

انویسٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر ہم کمپنی بیچیں ہی کیوں، کیوں نہ ہم اِسے ایپل یا مائیکروسافٹ بنا دیں؟'' عبداللہ

کے سوالوں کی پوٹلی پھر کھل گئی۔

''نہیں عبداللہ جو سرمایہ لگاتے ہیں وہ اِتنا اِنتظار نہیں کر سکتے۔''

عبداللہ گویا ہوا''سر ٹیم پاکستان میں ہائر ہوگی۔آپ کو اعتبار نہیں تو میں آپ کے پاس رہ جاؤں گا بطورِ تاوان، ورنہ مجھے منظور نہیں۔''

اور انویسٹر صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔

عبداللہ کافی دیر تک سوچتا رہا کہ ایسے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔کچھ سوچنا پڑے گا۔عبداللہ نے قیام کو کچھ طویل کیا اور کوئی پچیس سے اُوپر سرمایہ کاروں اور کمپنی کھولنے میں معاونت کرنے والوں سے ملاقاتیں کیں۔

کسی نے اُسے شاندار جاب کی آفر کی تو کسی نے اس کے آئیڈیاز کو بے کار قرار دیا، حتیٰ کہ پاکستانی تک پاکستانی کمپنی میں انویسٹ کرنا نہیں چاہتے۔

عبداللہ بڑا دلبرداشتہ ہوا۔

اُس نے سوچا کہ اگر معمولی سی فنڈنگ مُلک سے ہی مِل جائے تو بھی کام چل سکتا ہے، وہاں بھی تو اِتنے اِدارے موجود ہیں۔غیر سے پیسہ لیں ہی کیوں۔یہ سوچ کے اُسے بڑا اطمینان ہوا۔اُس نے باقی ماندہ دِن کنسلٹنگ کے گن کے پورے کیے اور واپس پاکستان چلا گیا۔

پاکستان پہنچ کے پتہ لگا کہ اس کی کمپنی اسٹارٹ اپ ورلڈ کپ میں شارٹ لسٹ ہوگئی ہے اور وہ آرمینیا پہنچ گیا اور ایک بار پھر پہلی پوزیشن لے کے پہلا ورلڈ کپ جیت لیا۔اِس سے اسے کافی حوصلہ مِلا۔عبداللہ نے سب کچھ بھلا کے پھر سے کام کرنے کا سوچا۔

اگلے چند ماہ گرانٹ پروپوزل لکھتا رہا۔اسے پوری اُمید تھی کہ جن ٹیکنالوجیز پر وہ کام کر رہا ہے ان سے پاکستان کو کسی حد تک دہشت گردی سے نجات مِل جائے گی۔ڈیٹا سائنس کی ہر جگہ دھوم تھی اور عبداللہ کا اِس سے متعلق تمام چھوٹی بڑی اِصلاحات پر ہاتھ صاف تھا۔کسی کتاب میں اُس نے پڑھا تھا کہ کسی بھی فیلڈ میں مہارت قائم کرنی ہو تو زندگی کے دس ہزار گھنٹے اِس میں لگا دو۔عبداللہ کوئی سترہ ہزار سے اُوپر گھنٹے اِس فیلڈ میں لگا چکا تھا۔

ایک دن اُمید بر آئی اور اُسے ایک کروڑ کی گرانٹ کے لیے منتخب کر لیا گیا۔پنجاب حکومت

ویسے بھی بڑے اچھے کام کر رہی تھی اور یہ تو ویسے بھی وہ پیسے تھے جو انھیں انٹرنیشنل ڈویلوپمنٹ فنڈ سے ایسے ہی کاموں کے لیے ملے تھے۔

عبداللہ مہینہ بھر سے آنے والے چیک کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آیا۔ اُس نے بارہا کال کی مگر ہر بار ''صاحب'' کسی دورے پر ہوتے۔ اُس نے یہاں تک کہہ دیا کہ بھائی نہیں دینے پیسے تو بتا دو۔ کوئی جواب تو دو مگر اعلیٰ عہدیداروں کی صرف آنکھیں ہوتی ہیں کان نہیں یا شاید حواسِ خمسہ ہوتے ہیں مگر دل نہیں۔ وہ متعدد بار ان کے آفس بھی گیا مگر وہ عبداللہ جیسے چھوٹے بندوں سے مِل لیتے تو ''صاحب'' کہلاتے ہی کیوں؟

عبداللہ کو آج ایک حدیث یاد آ رہی تھی کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور غریب لوگوں کی شکایت سننے کی بجائے اپنے دروازے بند رکھے گا تو پھر اِس حکمران کو جب خود مدد کی ضرورت ہو گی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے دروازے اِس کے لیے بند کر دے گا۔

عبداللہ نے کوشش جاری رکھی۔ ''صاحب'' کا تبادلہ ہو گیا۔ نئے صاحب آ گئے۔ نئے صاحب حج پر چلے گئے اور پھر مُلک میں الیکشن آ گئے، پھر سب بجٹ بنانے میں لگ گئے، پھر صوبائی بجٹ بنانے میں لگ گئے اور پھر نئے صاحب کا بھی تبادلہ ہو گیا اور نئے سے نئے صاحب ابھی آئے نہیں۔

عبداللہ نے وفاقی سطح پر قائم اِداروں کو پروپوزل دیئے۔ اِس نے انھیں بتایا کہ جن پراڈکٹس پر آپ ملین ڈالرز لائسنس کی مد میں دیتے ہیں وہ ہم خود لاکھ ڈالر میں بنا سکتے ہیں پھر آپ دوسرے ممالک سے زرمبادلہ کمانا۔

پھر سے ایک دور شروع ہوا۔ ملاقاتوں کا گفتگو کا۔ پروپوزل جمع کروانے کا مگر نتیجہ ندارد۔ آخر میں کہا گیا کہ آپ کے ٹیکنیکل پروپوزل میں جان نہیں۔ عبداللہ نے بہت سر پٹپٹایا کہ جنابِ والا آپ کے مُلک میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جو انھیں صحیح طرح سمجھ سکے۔

بڑی مشکلوں سے ایک صاحب سے بالمشافہ ملاقات کروائی گئی۔ جنھوں نے پروپوزل پڑھا تھا۔ انھوں نے فرمایا۔ ڈاکٹر عبداللہ ہم نے آپ کو ایک ٹی وی پروگرام میں دیکھا تھا جو باتیں آپ کرتے ہیں وہ ہمیں پسند نہیں۔

عبداللہ نے لاکھ سمجھایا کہ جس پروگرام کی آپ بات کر رہے ہیں وہاں میں زندگی میں بھی نہیں گیا اور اس پروگرام کا میرے پروپوزل کے معیار سے کیا تعلق۔

مگران صاحب نے جو بات کہہ دی سو کہہ دی۔ جس ملک میں نام کے ساتھ لگا عہدہ عقل کا تعین کرے وہاں ایسے نادرالوقوع حادثات روز ہوتے ہیں۔

میٹنگ سے واپسی پر عبداللہ کو اپنے بچپن کی کہانیاں بڑی یاد آ رہی تھیں جہاں بونے صرف پستہ قد والے ہی ہوتے تھے۔

سارے زرائع کو آزمانے کے بعد صرف ایک حکومتی اِدارہ بچا جہاں سے عبداللہ کو پوری اُمید تھی کہ کام بن جائے گا۔ آج اُن سے ملاقات تھی۔ عبداللہ رات بھر دُعا مانگتا رہا کہ یا اللہ یہ آخری در ہے اِس دُنیا میں یہاں سے ضرور کچھ کروا دے سارے معاملات طے پا گئے تو 'صاحب' نے فرمایا:

''بھئی عبداللہ، مبارک ہو اِتنا بڑا پراجیکٹ ملنے والا ہے۔ بس کچھ ہی دنوں میں کام شروع کرتے ہیں مگر ہمارا کیا خیال کرو گے؟''

''جی میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''ارے بھائی، ہم نے جو اِتنی محنت کی اِسے منظور کروانے میں۔ تیس فیصد جو پیسے آئیں گے ان میں سے ہم رکھ کے باقی آپ کو دے دیں گے۔ میرا سیکرٹری آپ کو تین پروفائلز دے گا۔ آپ تینوں کو رکھ لیں لاکھ روپے مہینہ پر، اور اب کے باہر جائیں تو دو نئے والے آئی فونز لیتے آیئے گا۔

عبداللہ کا غصہ اس کے چہرے پر آ کر ثبت ہو گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے کہا:

''سر، آپ کے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اِن پیسوں کی تو کوئی اوقات ہی نہیں ہے۔ میرا پراجیکٹ آپ کی شرائط کے بعد آدھا بھی نہیں ہوگا۔

اب غصہ کی باری صاحب کی تھی۔ تو کیا آپ نے ہمیں اپنا چپڑاسی سمجھ لیا ہے جو ہم آپ کے لیے فون کرتے پھریں۔ عبداللہ یہاں تم جیسے درجنوں روز جوتیاں چٹخاتے ہوئے ملاقات کا وقت لینے آتے ہیں اور ذلیل ہو کے چلے جاتے ہیں۔ ہماری ملاقات ختم۔

عبداللہ نے واپسی کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ لوگ زندگی بھرانا کی پرورش کرتے ہیں، اور گھمنڈ کو پالتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اور اُن کا گھمنڈ اکیلے رہ جاتے ہیں۔ باقی سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

عبداللہ نے آج پھر اللہ سائیں کو خط لکھا:

''اے اللہ،

ہمیں خیر کی خبر سنا اور ہمیں خیر ہی پر مطلع فرما اور اے اللہ ہمیں عافیت نصیب فرما اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ عافیت سے رکھ۔ اے اللہ، ہمارے دِلوں کو تقویٰ کے کاموں پر جمع فرما دے اور ہمیں اِن اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی اور خوش ہوا۔

اے ہمارے پروردگار، ہم پر گرفت نہ فرما جب ہم بھول چوک جائیں، مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ اے پروردگار، ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوا، جس کو اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ نرمی برت، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو ہمیں کافروں پہ غالب کر۔''

عبداللہ نے ملک سے کسی فنڈنگ کا آئیڈیا ہمیشہ کے لیے دل و دماغ سے نکال دیا۔ یہاں کسی کو اپنی پراڈکٹ کے بارے میں سمجھانا پراڈکٹ بنانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

بلّو اِس سے کہتی۔ عبداللہ دال روٹی چل رہی ہے، گھر ہے، گاڑی ہے، بچے اسکول جا رہے ہیں، کمپنی میں بیس سے اُوپر ملازم ہیں۔ تو کیوں پریشان رہتا ہے۔

عبداللہ اسے کہتا کہ اگر وہ دو ہزار لوگوں کو ملازمت دے سکتا ہے تو بیس لوگوں پر اکتفا کیوں کرے؟ ''دیکھ بلّو۔'' عبداللہ گویا ہوا۔

اِس وقت اُمت کو سب سے زیادہ ضرورت پیسوں کی ہے۔ کئی ثاقب الذہن لوگ موجود ہیں مگر وسائل ان کے پاس نہیں ہیں۔ دیکھ میں نے کتنے دھکے کھائے مگر دھیلہ نہیں مِلا۔ یہ مُلک مسجدوں پر، مدرسوں پر، ہسپتالوں پر، حتیٰ کہ کھیل کے میدانوں پر، بھوکوں کو روٹی کھلانے پر، زلزلے کے متاثرین کو، بیواؤں کو، یتیموں کو سب کو چندہ دے دیتا ہے مگر بزنس کے لیے نہیں، جو بھیک مانگنا سکھاتے ہیں انھیں پیسے مِل جاتے ہیں جو کشکول توڑنے کا ہنر جانیں انھیں نہیں۔ منظر

بھو پالی ٹھیک ہی کہتے تھے:

بنائیے نہ کسی کے لیے بھی تاج محل
ہنر دکھایا تو دستِ ہنر بھی جائے گا

زندگی میں کوئی اُمنگ نہ ہو۔ آرزو نہ ہو، پلان نہ ہو، چاہ نہ ہو تو زندگی موت بن جاتی ہے۔ عبداللہ جیتے جیتے مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے کچھ ماہ بعد آنے والے رمضان کا انتظار تھا کہ وہ پھر مفتی صاحب کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھ سکے اور مسجد ہی وہ جگہ تھی جہاں عبداللہ کو قرار آتا تھا ویسے تو وہ بے قرار ہی رہتا تھا۔

آج کل عبداللہ کے کمپنی کے تھوڑے بہت کاموں کے علاوہ صرف دو کام تھے۔ کتابیں پڑھنا اور فیس بک۔ وہ ہزار صفحات روزانہ کی رفتار پر پہنچ چکا تھا۔ ایک دن اِس سے کسی نے پوچھا کہ حافظہ تیز کیسے ہو کہ آدمی اِتنا پڑھ بھی لے اور ذہن میں رہ بھی جائے۔

عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہم کبھی گندی پلیٹ میں کھانا نہیں ڈالتے۔ علم کی آنرشپ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پاس ہے، اگر ذہن صاف نہ ہوگا تو وہ بھی نہیں آئے گا۔ آنکھوں کی حفاظت کریں تو حافظہ تیز ہو جاتا ہے، جس ذہن میں ناچ گانے، فحاشی اور بے ہودہ لطیفے بھریں ہوں وہاں علم کہاں سے آئے گا۔

عبداللہ روز فیس بک پر کچھ نہ کچھ ایسا لکھ دیتا کہ لوگ چڑ جاتے اور اُسے خوب سناتے۔ وہ اِن سب باتوں پہ خاموش رہتا۔ اُسے ٹھنڈا مزاج پسند تھا۔

وہ بلّو سے کہتا کہ بے وقوف آدمی یا تو عقل سیکھنے کی کوشش کرتا رہے اور عقلمندوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی گفتگو سنے اور اُن کے اعمال کی علت سمجھنے کی کوشش کرے، یا پھر اپنے آپ کو کسی عقلمند کے حوالے کر دے اور یا پھر خاموشی سے موت کا اِنتظار کرے۔

اُسے بہت تعجب ہوتا جب وہ فیس بک پر ایسی تصویریں دیکھتا کہ بیوی تو مکمل شرعی پردے اور حجاب میں ہیں اور شوہر صاحب نے گھٹنوں تک شارٹس اور بغیر آستینوں والی ٹی شرٹس پہنی ہوئی ہے جیسے کہ فیشن کا حق صرف مرد کو حاصل ہے۔

اسے نہ تو شارٹس اور ٹی شرٹس سے کوئی بیر تھا نہ بُرقعے سے۔ وہ محظوظ یہ سوچ کہ ہوتا کہ

کاش کوئی ایسی بھی تصویر نظر آئے، جس میں بیوی ماڈرن لباس میں ہو اور شوہر عبا پہنے، پگڑی باندھے۔ ہاتھ میں تسبیح اور یہ لمبی داڑھی کے ساتھ کھڑا ہو۔

جو معاشرہ پہلی تصویر پر کچھ نہیں کہتا اُسے دوسری تصویر پر بھی کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔

عبداللہ سوچتا پاکستان میں مرد عورتیں ہیں اور عورتیں مرد اگر پیمانہ صبر و برداشت ہو۔

فیس بک پر اسے اب تک منافقت کی اِتنی سندیں مِل چکی تھیں کہ اگر کریڈٹ ٹرانسفر کا کوئی اِدارہ ہوتا تو وہ پی ایچ ڈی کر چکا ہوتا۔

اور کچھ نہیں تو آئے روز کوئی نہ کوئی دوست میسج بھیج دیتا کہ آپ کے بچوں نے فرنگی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں گلاس تھا فلاں پکچر میں تو وہ لال رنگ کا مشروب کیا تھا؟ تو کبھی آپ کی اہلیہ بُرقع نہیں کرتیں۔ وہ بھی جہنمی اور آپ بھی کہ کہتے نہیں ہیں۔ ہمارے گھر میں یوں ہو جائے تو ہم کشتوں کے پُشتے لگا دیں۔

عبداللہ ایسی باتوں پہ بڑا حیران ہوتا، کہ یہ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں، یہی کہ کسی غریب کا گھر برباد ہو جائے؟ بلاوجہ اپنی پاکیزگی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ سامنے والے کی عمر کیا ہے؟ کن مسائل سے گزر رہا ہے؟ کن سوچوں میں مگن ہے؟ کون سی جنگ ہے جو ہار کے لوٹا ہے؟ کون سا محاذ ہے جس پہ جانا باقی ہے؟

آخر تنگ آ کر اُس نے ایسے سارے نام نہاد ریڈی میڈ فتویٰ دینے والے ''دوستوں'' سے جان چُھڑا لی، فتویٰ نہ ہوا ٹیپ ہو گئی جہاں چاہو چپکا دو۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں کُل 142 لوگ تھے جو فتویٰ دیتے تھے اور 20 عورتیں۔ ہمارے محلے میں کوئی 162 نکل آئیں گے۔

عورت کو پاؤں کی جوتی بنا کر رکھو۔ کیوں بھائی، لے کر ہی کیوں آتے ہو کسی غریب کو اگر ایسے ہی اِرادے ہیں؟

مرد پیسہ لاتا ہے، کماتا ہے، تو۔ کیا وہ مالک ہو گیا۔ جسم کا، سوچ کا، اِرادوں کا، رُوح کا، گماں کا، اِمکان کا؟

مرد پیسے لاتا ہے مگر بچے پیسے نہیں کھاتے۔

مرد پیسے لاتا ہے مگر بچے پیسوں پہ نہیں سوتے۔

مرد پیسے لاتا ہے مگر پیسوں سے راحت نہیں ملتی۔ نہ خوشی ملتی ہے۔ نہ اطمینان۔

اِن پیسوں کو کھانا عورت بناتی ہے۔ اِن پیسوں کو گھر، خوشی، اطمینان، سکون اور بستر عورت بناتی ہے۔

آپ کا نام نہاد ''مرد'' تو روز آفس سے گالیاں، غیبت، بہتان، جھوٹ، ظلم اور حسد کھا کے آتا ہے۔ یہ عورت ہی ہے جو اُسے تسکین دیتی ہے۔ کھانا کھلاتی ہے۔ دوبارہ سے جوڑتی ہے اور صبح 'مرد' بنا کے بھیجتی ہے، جس اِسلام نے عورت کے اِستحصال کے درجنوں طریقے ختم کر کے اُسے نکاح کی حفاظت میں دیا۔ ہم مسلمان ایسے گئے گزرے کہ اسے جانور کے حقوق بھی نہ دیں۔ تف ہے ایسی مردانگی پر۔

عبداللہ کو بلّو سے بہت محبت تھی۔ زندگی میں کچھ لوگ اعراب کی مانند ہوتے ہیں۔ کوئی کومہ، تو کوئی سیمی کولون، خوش نصیب ہوتے ہیں وہ جن کے پاس کوئی فل اسٹاپ ہو کہ اِس کے آ جانے سے زندگی رُک جائے، تھوڑی دیر کو ہی سہی۔

یہ الگ بات کہ میں چھوڑ چکا کوزہ گری
تیرے جیسے تو میں مٹی کے بنا سکتا ہوں

آج کراچی سے عبداللہ کے دوست ماہر فاروقی آئے تھے۔ بڑے ہی بُردبار قسم کے معصوم سے آدمی تھے۔ ایم بی اے بھی کیا تھا اور مسجد کے اِمام بھی تھے۔ یعنی ایک تو شریف، اُوپر سے مولوی۔ بڑی مشکل سے ایسے لوگ ملتے ہیں۔

ماہر بھائی خاموش لاؤڈ اسپیکر ہیں۔ زبان خاموش رہتی ہے مگر پورا جسم بول رہا ہوتا ہے۔ آنکھیں تو چپ ہی نہیں ہوتیں۔ عبداللہ اِن کی موجودگی میں بہت لطف اُٹھاتا۔ وہ جتنے شرمیلی طبع کے تھے عبداللہ انھیں اِتنا ہی زِچ کرتا۔

ماہر بھائی سے عبداللہ نے کچھ حالات ڈِسکس کیے تو انھوں نے اسے سمجھایا کہ کراچی میں اُن کے شیخ ہیں کوئی مولانا صاحب، اُن سے ملاقات کرلو۔

عبداللہ نے سوچا لو جی ایک اور آیا، پھر مریدوں کا جمگھٹا، پھر لائن میں اِنتظار اور پھر وعدے وعیدیں۔ عبداللہ نے ماہر بھائی کو صاف منع کر دیا کہ وہ نہیں کرے گا بات۔ ماہر بھائی بضد رہے۔ آخر پہلے فون پر بات کرنے کی حامی بھری۔ ماہر بھائی نے فون لگا کر عبداللہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ''

عبداللہ کو ایک مدھم، ٹھہری ہوئی محبت بھری آواز سنائی دی۔

عبداللہ نے دِل میں سوچا یہ تو بڑے ماہر ہیں اب دام سے کون نکلے۔ اُس نے بے چارے مولوی صاحب کو خوب سنائی کہ اُس کی زندگی کا اِمچور ان کے بھائی بندوں کی وجہ سے بنا ہے۔ مولوی صاحب بار ہا کہتے رہے کہ آپ غلطی سے ڈاکٹر سمجھ کر کمپاؤنڈر سے ملتے رہے ہو۔

آخر میں انھوں نے کہا کہ بھئی آ کیوں نہیں جاتے ملنے اگر اِتنے ہی مسائل ہیں۔

یہ کاری وار تھا۔

عبداللہ نے پینترہ بدلا کہ آپ حضرت ٹائم ہی نہیں دیں گے، اب میں پچیس ہزار کا ٹکٹ آپ کے دیدار کے لیے تو خریدوں گا نہیں۔

مگر مولوی صاحب نے بالمشافہ ملاقات کا وعدہ کر لیا اور کہا جتنا ٹائم چاہیے ملے گا۔ اور فون بند۔

عبداللہ کو یہ بھلے لگے۔ مفتی صاحب کے ادب کی وجہ سے اور ان کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے عبداللہ ان سے بے تکلفی سے بات نہیں کر پاتا تھا کہ مبادا وہ ناراض ہو کر ملنا ہی نہ چھوڑ دیں۔ اس نے ایک دو بار مفتی صاحب کو کسی سے سخت لہجے میں بات کرتے ہوئے سن لیا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ اگر اس سے کبھی ایسے بات کر لی تو وہ تو مر ہی جائے گا۔

عبداللہ نے سوچا یہ نئے مولوی صاحب سے اگر بن گئی تو اچھا ہے کہ کوئی متبادل بھی ہاتھ آ جائے گا اور شاید وہ اِن سے بے تکلفی سے بات کر سکے، انھوں نے اکیلے میں ٹائم دے کر عبداللہ کا دل آدھا تو جیت ہی لیا تھا۔

عبداللہ اگلے ہی روز مولوی صاحب کے پاس کراچی پہنچ گیا۔ وہ راستے بھر سوچتا رہا کہ ملک کا ہر شخص اُمت کے واسطے کام کرنا چاہتا ہے اور اِنفرادی لوگوں کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ کہاں جا کے رہے جو کہیں کا نہ رہے؟

مولوی صاحب بہت خوش مزاج، ہنستے بولتے شخص تھے۔ عبداللہ کو مسکرانے والے مولوی بہت پسند ہیں۔ یہ تو شکل سے بھی بچوں کی طرح معصوم تھے اور تھے بھی غریب عام سی 100 روپے والی چپل، 20 روپے گز والے کپڑے کا جوڑا اور عام سی ٹوپی۔ عبداللہ کو ماہر بھائی کی تمام باتیں اِن صاحب کے بارے میں مبالغہ آرائی لگی کہ عقیدت مند مرید ایسے ہی بڑھا چڑھا کے بولتے ہیں کہ ہمارے حضرت کہ یہ پراجیکٹس اور فلاں فلاں۔

خیر مولوی صاحب نے عبداللہ کو دوپہر کا کھانا کھلایا جس میں بکرے کی کلیجی تھی۔ عبداللہ کو کلیجی بہت پسند ہے۔ اِس نے بلاتکلف پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کہنے لگا مولوی صاحب۔ آپ واحد مولوی ہیں جو کلیجہ کھلاتے ہیں، باقی سب تو کھاتے ہیں۔

مولوی صاحب نے عبداللہ کو ساتھ لیا اور ایک فیکٹری میں لیکچر دینے چل پڑے۔ لیکچر کے دوران عبداللہ سوچتا رہا کہ بڑی نپی تلی بات کرتے ہیں اور باتونی لوگوں سے بہت مختلف ہیں۔ بیان کے بعد کھانا لگا تو مولوی صاحب کھانا کھائے بغیر واپس آ گئے۔ فیکٹری کے مالک نے بمشکل تمام ہاتھ میں کوئی چھوٹا سا تھیلا پکڑا دیا۔

عبداللہ نے سوچا کھانا کھا لینا چاہیے تھا اور لیکچر دینے کے پیسے بھی لینے چاہیے تھے۔ خیر گاڑی میں بیٹھتے ہی مولوی صاحب نے ملنے والا تحفہ عبداللہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اُس میں ایک انتہائی قیمتی عطر تھا۔ عبداللہ نے کہا یہ تو آپ کی مزدوری ہے اِتنی محنت سے لیکچر دیا اور آپ نے ایک نظر دیکھا بھی نہیں ملنے والے تحفے کو؟

انھوں نے کچھ نہیں کہا اور کہا رکھ لو عبداللہ۔

عبداللہ خدا حافظ کہہ کر دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے چلا آیا، مگر سوچتا رہا کہ کچھ لوگ آج بھی موجود ہیں جو صرف اللہ کے لیے کام کرتے ہیں بغیر کسی غرض، بغیر کسی فائدے کے۔

عبداللہ نے اپنی تمام توجہ ایک نئے سافٹ ویئر بنانے پر لگا دی، نہ کوئی دوست آتا نہ ہی عبداللہ کہیں جاتا، ہفتوں ہفتوں اپنے کمرے میں بیٹھا کوڈ لکھتا رہتا۔

جب بھی کسی سے بات کرنے کا دِل چاہتا تو گھر کے قریب موجود پیپل کے گھنے درخت کے نیچے بیٹھ جاتا اور اسی سے باتیں کرنے لگتا۔

اُسے یہ پیپل کا درخت بڑا پسند تھا۔ عبداللہ اُسے پیپل بھائی کہہ کر مخاطب کرتا۔ آج عبداللہ پچھلے دو گھنٹوں سے درخت کو گھور رہا تھا۔ کبھی اس کی شاخوں پہ ہاتھ پھیرتا تو کبھی تنے سے گلے لگ جاتا۔ کبھی پتوں پر پڑی شبنم دیکھتا تو کبھی اس کے اُوپر بیٹھ جانے والے پرندوں سے محظوظ ہوتا۔ وہ درخت کو ایسے پیار کرتا جیسے کوئی اپنے بچوں کو پیار کر رہا ہو۔

عبداللہ سوچنے لگا کہ اُس کی زندگی اِس پیپل کے درخت سے کتنی مشابہہ ہے۔ عرصہ پہلے لوگوں نے زمین میں ایک بیج دبایا ہوگا اور بھول گئے ہوں گے۔ زمین، سورج، ہوا، پانی، حشرات الارض، سب نے مِل کے اُسے سینچا ہوگا۔ بیج میں سے زندگی نکلی ہوگی، کونپل آئی ہوگی اور پھر اس نازک سی کونپل نے زمین کا سینہ پھاڑ کے اپنے وجود کا اعلان کیا ہوگا، پھر وہ بڑھتی چلی گئی ہوگی۔ آس پاس کی ہواؤں کے زور اور تھپیڑے سہنے کے لیے اس کا تنا طاقت ور ہوتا چلا گیا ہوگا اور پھر شاخیں، پھر پھول اور پھل۔ اسی کا نام تو زندگی ہے۔

عبداللہ سوچنے لگا کہ اس کے ملک کے لوگوں نے اِسے بھی زمین میں دبا دیا۔ یہ تو اُن کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ بیج ہے۔ اللہ کی قدرت نے اسے سینچا اور وہ زمین کا سینہ توڑ کر باہر نکل گیا۔ معترضین اور حاسدین کے حسد سے بچنے کے لیے اس کا بھی تنا موٹا ہو گیا۔ گر جانے کے خوف سے اس نے بھی اپنی جڑیں دین سے چپکا لیں اور وہ بھی آج اِس پیپل کے درخت کی طرح کھڑا

حالات کا مقابلہ کر رہا ہے۔

عبداللہ نے باٹنی میں پڑھا تھا کہ یہ درخت بھی دیکھتے ہیں۔ الٹراوائلٹ لائٹ سے انھیں بھی پتہ چلتا ہے کہ بندے نے کپڑے کس رنگ کے پہنے ہیں، اگر کوئی اور پودا ان کی روشنی روک لے تو یہ مخالف سمت میں بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پانی کم ہو تو جڑیں دُور دُور تک پھیلا دیتے ہیں۔

عبداللہ کو لگتا کہ درختوں کی میموری بھی ضرور ہوتی ہو گی، بھلا پانی دینے والوں کو بھی کوئی بھولتا ہے؟ انھیں خوف بھی آتا ہو گا، جب ایک پودے پر وائرس حملہ کر دیں تو آس پاس والے پودے خود بخود اس وائرس سے بچنے کے لیے کیمیکل بنانا شروع کر دیتے ہیں۔

عبداللہ سوچتا یہ درخت بھی ذِکر کرتے ہوں گے اور دُعا مانگتے ہوں گے، مجھے اِن کی دُعاؤں میں ضرور شامل ہونا چاہیے۔ وہ سوچنے لگا کہ درختوں سے سیکھنا چاہیے، باقی مخلوق کے برعکس یہ اپنے حالات اور ماحول تبدیل نہیں کر سکتے۔

حالات سازگار ہوں نہ ہوں تو پرندے ُ کوچ کر جاتے ہیں۔ انسان نقل مکانی کر جاتے ہیں، مگر درخت۔ یہ تو کہیں نہیں جاتے، انھیں تو ہمیشہ اُسی جگہ پر ثابت قدم رہنا ہوتا ہے اور مرتے دم تک حالات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ انسان کو صبر درختوں سے سیکھنا چاہیے۔

آہ! یہ درخت بھی اِنسانوں سے بازی لے گئے۔ عبداللہ نے بھیگی آنکھوں سے درخت کو بوسہ دیا جو اسے بھی سایہ دیتا ہے جو اِسے کاٹ رہا ہو اور گھر واپس روانہ ہو گیا۔

عبداللہ کی قوتِ مشاہدہ روز بروز تیز ہوتی جا رہی تھی، وہ ہر بات کے پیچھے ہونے والے سبب کو محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے سامنے چیزیں اپنی وقعت، اپنا رنگ، اپنا رُوپ سب کھو دیتی تھیں، وہ ٹوٹے ہوئے برتنوں سے لے کر شہد کی مکھی تک، اور پانی کے مٹکوں سے لے کر بارش کی بوندوں تک سے علم کشید کرنے لگا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ غیر اللہ کی محبت بھی ایک جان لیوا مرض ہے جس کا علاج تصوّف کرتا ہے۔

پرندوں کے جھنڈ دیکھنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا، جب پرندے Flock کی صورت میں اُڑاتے تو اسے قدرت کی سادگی اور کمال پہ تعجب ہوتا کہ کہاں تو اِتنی پیچیدہ پرواز اور کہاں اِتنے

سادہ اصول جو نہ اسے دوسرے پرندوں سے ٹکرانے دیتے ہیں۔ نہ سمت بھولنے دیتے ہیں اور اُڑان کا تو وہ ہمیشہ سے ہی شیدائی تھا۔ وہ سوچتا کہ پرندوں کو بھی روٹی روزی زمین پہ لاتی ہے۔ اِنسان کو بھی چاہیے کہ تھوڑی دیر معاش کی فکر میں لگائے اور پھر اُڑ جائے خدائے پاک و برتر کے جہاں میں اور چھوڑ دے آزاد اپنے تخیل کو کہ مشاہدہ ہو خدا کی صنّاعی کا۔ وہ سوچتا کہ پرندوں کی طرح اِنسانوں کے بھی پر ہوتے ہیں، ایک ہمت کا اور دوسرا شوق کا۔ دونوں کے سائز برابر ہونے چاہئیں تا کہ اُڑا جا سکے۔ بے شک اللہ نے دُنیا اہلِ ہمت اور اہلِ صبر کے ہاتھ میں رکھی ہے۔

عبداللہ سوچتا کہ ایک چھوٹا سا بارٹیل گوڈوِٹ پرندہ براعظموں کا سفر بلا تکان، بلا رکے کر لیتا ہے، دنوں کے سفر میں نہ اُسے نیند آتی ہے، نہ بھوک لگتی ہے۔ چھوٹی سی چڑیا ہزاروں میل اُڑ جاتی ہے اور کوئی طوفان، کوئی ہوا۔ کوئی بجلی، کوئی بارش اس کا راستہ نہیں روک پاتی۔ سائنسدانوں نے 9 دن اور 9 راتوں کی 11 ہزار کلومیٹر کی فلائٹ ریکارڈ کی ہے بغیر رُکے جو یہ پرندہ کر لیتا ہے۔

اسے لگتا کہ وہ خود بھی ایک پرندہ ہے اور لا اِلٰہ الاّ اللہ اُس کا ترانہ ہے۔ عبداللہ کو خاردار تاریں پسند نہیں تھیں۔ وہ کہتا کہ لگتا ہے اُڑنے والے پرندوں کو کسی نے لائن میں پرو دیا ہے۔ اِتنی بڑی دُنیا میں بھی عبداللہ کو اپنا دم گھٹتے محسوس ہوتا اور وہ چاہتا کہ آزاد ہو جائے۔

وہ ہاتھ ہاتھ میں آنے کی دیر ہوتی ہے
ستارے اور کسی رُخ پہ چلنے لگتے ہیں
اِسی لیے میں پرندوں سے دُور رہتا ہوں
کہ ان میں رہ کے میرے پر نکلنے لگتے ہیں

آج عبداللہ کی ملاقات پھر انھی کراچی والے مولوی صاحب سے ہوئی۔ وہ اپنی بڑی سی گاڑی میں اسے اپنا مدرسہ دکھانے لے گئے۔ گاڑی میں ان کے مسلح محافظ بھی تھے۔

عبداللہ انھیں یاجوج ماجوج کہتا۔ گاڑی میں عبداللہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو بے کار آدمی ہے مگر کسی نے اگر مولوی صاحب پر حملہ کیا تو وہ گاڑی کی سیٹ کے نیچے چھپ جائے گا، پھر وہ اپنے خیال پر خود ہی ہنسنے لگا کہ اگر مر گیا تو مولوی صاحب کے مرید کہیں گے کہ واہ جی واہ کیا موت ہے۔ حضرت کے چرنوں میں موت آئی۔ تو وہ سوچنے لگا کہ حملے کی صورت میں مولوی صاحب کے سر پر چڑھ جائے گا، مگر پھر شاید ان کے مرید کہیں گے کہ واہ جی واہ، حضرت کی جان بچانے میں اپنی جان دے دی۔ بھاڑ میں گئے سب میں مروں ہی کیوں اِس کار میں، عبداللہ نے زیرِلب دُعا مانگی۔

خیراللہ اللہ کر کے مدرسہ آیا، کیا خوب عمارت تھی۔ یہاں انگریزی بھی پڑھاتے تھے۔ عبداللہ نے ایک کلاس میں جا کر انگریزی میں بات چیت کی اور مدرسے کے بچوں کی انگریزی سن کے بڑا خوش ہوا۔ کوئی وجہ نہیں کہ مدرسے کے بچے پڑھ لکھ نہ سکیں اگر ہم انھیں صحیح تعلیم دے دیں۔

مولوی صاحب اُسے آخر میں بالائی منزل پر لے گئے اور وہاں ایک طالبِ علم کو بلوایا گیا۔ اُسے سب کمپیوٹر بچہ کہتے تھے۔ بچے نے آ کر قرآن پاک سنانا شروع کیا۔ اسے جو آیت سنائی جاتی وہ وہیں سے قرآن پاک پڑھ لیتا۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔ سورت مکی ہے یا مدنی، کتنی آیات ہیں، کتنے رکوع ہیں سب کچھ۔

عبداللہ کی طبیعت سخت مکدّر ہوئی۔ اسے یہ گیم بالکل پسند نہ تھے۔ اللہ حسین ہیں حسن کو پسند کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر ذہین بچے کو ایک صورت آتی، ترجمہ، تفسیر اور اُس کی رُوح کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب کہا گیا کہ فلاں شخص اُلٹا قرآن پڑھ سکتا ہے تو انھوں نے کہا اللہ اس کے دل کو بھی اُلٹ دیں گے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے ۱۲ سال میں صرف سورہ بقرہ یاد کی۔ عبداللہ سوچنے لگا کہ جتنے حافظ ہمارے دور میں ہوتے ہیں شاید کبھی بھی نہ ہوتے ہوں، لیکن جتنا عمل ہم لوگ کرتے ہیں قرآن پر اِتنا کم عمل بھی شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ اسے حفظ کرنے یا نہ کرنے پر کوئی بحث نہیں تھی۔ قلق صرف اِس بات کا تھا کہ میرے محبوب اللہ کا کلام ہے۔ محبت سے پڑھنا چاہیے ایسے کہ جیسے عبداللہ درخت کو دیکھتا تھا۔ تمام جزئیات، احساسات، تراکیب اور روشنیوں کے ساتھ۔

عبداللہ سوچنے لگا کہ قرآن پہ تماشا کبھی نہیں لگانا چاہتے۔ اللہ کا کلام ہے۔ ادب ملحوظِ خاطر رہے۔ بے ادبی میں جب کوئی انسان اپنی زبان کھول دیتا ہے تو نماز چھن جاتی ہے۔ عبداللہ کی زبان پر شعر رواں ہو گئے۔

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویز بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جزدان حریر و ریشم کے اُور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہے

جب قول و قسم لینے کے لیے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں میں اٹھایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول پڑھائے جاتے ہیں
اس طرح سکھایا جاتا ہوں اس طرح پڑھایا جاتا ہوں
کس بزم میں میرا ذکر نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
میں پھر بھی اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

(ماہر القادری)

عبداللہ سوچنے لگا کہ علم کا آغاز خاموشی سے ہوتا ہے کہ بولے نہیں اُستاد کے سامنے یہ خاموشی بڑی چیز ہے۔ یہ ربّ کی توجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہ وہ خاموشی ہے جو غارِ حرا میں ۶۰۰ سال بعد وحی کھینچ لائی۔ یہ وہ خاموشی ہے جو غارِ ثور میں رسالت پناہ اور صدیقِ اکبرؓ کے درمیان تھی۔ اور یہ وہ خاموشی ہے جو آنسو بن کر اس بے بس و کمزور شخص کی آنکھوں سے گرتی ہے جو کسی کم ظرف کے آگے دستِ سوال رکھتا ہے۔ وہ باتیں جو خاموشی میں کی جاتی ہیں۔ بولنے والے اُسے کاپر تو بھی نہیں پا سکتے۔ بندہ خاموش ہوتا ہے تو قدرت بولتی ہے۔ یہ چرند پرند، یہ پھول بوٹے۔ یہ آبشار اور جھرنیں، یہ پہاڑ و ہوائیں سب بولتے ہیں، باتیں کرتے ہیں۔ بس بندہ خاموش رہے۔ علم کا دوسرا پڑاؤ سننا ہے۔ آرام سے، سکون سے، بات کیا ہے۔ پسِ منظر کیا ہے، کون بول رہا ہے۔ سننا اور سنتے رہنا بے شک اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے، جس کے اندر جنگ جاری ہو اسے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ باہر جنگ جیتنے سے پہلے اندرونی جنگ کا خاتمہ ضروری ہے۔ اپنے آپ میں گم ہو جانا، دُنیا میں گم ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ اُور بے شک اللہ سے بہتر سننے والا کون ہے؟

علم کا تیسرا پڑاؤ حفظ ہے کہ جو کچھ سیکھے یاد کرے یا لکھ لے کہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔

علم کا چوتھا مرحلہ عمل ہے کہ جو کچھ سنا، جو کچھ لکھا اب اِس پر عمل کر کے اُسے بھٹی میں پکا لے۔ علم کے اُوپر آزمائش کی بھٹی چلتی ہے تو علم دِل پر ثبت ہو جاتا ہے، پھر مٹائے نہیں مٹتا۔

اور پانچواں اور آخری مرحلہ علم کو بیان کرنا ہے، شائع کرنا ہے۔ علم جمع کرتے رہنا چاہیے اور خرچ بھی کرتے رہنا چاہیے، جو شخص علم خرچ نہیں کرتا اُس کا علم جمع بھی نہیں ہوتا اور بدترین ملاوٹ علم میں جھوٹ کی ہے۔

عبداللہ کو لگتا تھا کہ اس نے یہ سارے مراحل اُوپر نیچے کر دیئے ہیں۔ باتوں کا اُسے شوق تھا۔ سننے پہ طبیعت کہاں مائل ہوتی ہے۔ تھوڑا بہت یاد کر لیا تو کر لیا، عمل کوئی تھا نہیں کہ نقوش ثبت ہوں اور تشریح و ترویج اُس سے کبھی ہوئی نہیں۔

آنسو ایسے ٹپ ٹپ گرنے لگے جیسے کہ بارش میں کسی کا جھونپڑا ٹپکے۔ اس نے دُعا کو ہاتھ اُٹھائے:

''یا اللہ، اے میرے اللہ سائیں، تو بارش کی بوندوں پر مانگی جانے والی دُعائیں قبول کرتا ہے۔ آج میرے آنسوؤں کی بارش ہے۔ اے اللہ، میں نے ہر اِک سے یہی سنا ہے کہ تو معاف کر دیتا ہے اور مجھے تجھ سے اچھے کی ہی اُمید ہے، مجھے بھی معاف کر دے۔ اے اللہ، عبادت کی تو قضا بھی ہے مگر جو زندگی غفلت میں گزر جائے اُس کا کیا؟ بس معاف کر دے۔

اے اللہ، میں ان تمام گناہوں سے معافی اور تیری بخشش چاہتا ہوں جو گناہ میں نے اب تک کی زندگی میں کر کے، توبہ کی تھی اور پھر اپنی شامتِ نفس سے دوبارہ انھی گناہوں میں مبتلا ہو گیا۔ اے اللہ میں اِن تمام گناہوں سے بھی معافی مانگتا ہوں جو اپنی ذات کے متعلق کوئی وعدے میں نے آپ سے کیے اور پھر وہ وعدے پورے کرنے کی بجائے، پھر انھی گناہوں کو دوبارہ کر لیا اور اے اللہ اِن تمام گناہوں سے بھی معافی مانگتا ہوں جو میں نے اِس لیے کیے کہ تو نے اپنی نعمتیں مجھے دیں لیکن میں نے اِن نعمتوں کو تیری نافرمانی کا ذریعہ بنا لیا۔ اے اللہ وہ تمام گناہ بھی معاف فرما دے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام جو صرف تجھے راضی اور خوش کرنے کے لیے کرنا تھا لیکن میں نے اِس نیکی کے کام میں تیرے علاوہ کسی اور کے خوش کرنے کی نیت کر کے اپنی نیت اور نیکی کو کھوٹا کر دیا۔

اے اللہ مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ کر کہ تو تو میرے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے اور اے اللہ مجھے عذاب بھی نہ دے کہ تجھے تو مجھ پر ہر طرح کی قدرت حاصل ہے اور میں تیرے سامنے بالکل عاجز، بالکل بے اختیار اور بے بس ہوں۔''

عبداللہ کو کچھ ہی روز میں امریکہ سے پھر کچھ کام مِل گیا اور وہ ایک بار پھر روانہ ہوا۔ پچھلے ۶ ماہ میں یہ اُس کا چوتھا چکر تھا۔ دو سال پہلے اسے ایک فیلوشپ کے درمیان ٹونی مِلا تھا۔ ٹونی خود بھی اسی فیلوشپ پہ جا چکا تھا۔ ٹونی ہر بار کوئی نہ کوئی کام عبداللہ کے لیے ڈھونڈ ہی لیتا۔ اِس بار وہ ٹونی کے بلاوے پر ہی امریکہ جا رہا تھا۔

ٹونی کوئی ۶ فٹ کا سلم اور سمارٹ خوبصورت گورا تھا جس نے بڑی اچھی پوزیشن پر کوئی بیس سال دُنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں میں کام کیا تھا۔ آج کل وہ اپنی بنائی ہوئی ایک کمپنی میں وائس پریزیڈنٹ تھا۔ ٹونی میں سوائے شہادت کے مسلمانوں والی ساری خصوصیات تھیں۔

ٹونی نے اِس بار عبداللہ کو اپنی دوست جو ایک بہت بڑی کمپنی میں سیلز کی ہیڈ تھی اِس سے ملوایا۔ مارتھا اِس کا نام تھا۔ مارتھا سے زیادہ ہارڈ ورکنگ عبداللہ نے آج تک کوئی عورت نہ دیکھی تھی۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ عبداللہ کے غیر روایتی مزاح اور نپے تلے گہرے جملوں کو سمجھ لیتی تھی۔ عبداللہ خوب جانتا تھا کہ گہرائی میں موجود پریشر کی خبر ساحل سے نہیں ملتی۔ کوئی نہ کوئی غم، کوئی بات مارتھا میں ایسی تھی جو عبداللہ کی فریکونسی سے ہر بار میچ کر جاتی۔

ٹونی اور مارتھا دونوں کوئی چالیس کے پھیرے میں ہوں گے۔

ٹونی نے عبداللہ سے کہا کہ کیا وہ بتا سکتا ہے کہ جس کاؤنٹی میں وہ رہتا ہے اُس کا مستقبل کیا ہوگا؟ نوکریاں بڑھیں گی یا ختم ہوں گی؟ لوگ آئیں گے یا جائیں گے؟ آبادی کس تناسب سے بڑھے گی؟ کوالٹی آف لائف کیسے ارتقا پذیر ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

عبداللہ نے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔

ٹونی واپسی پر عبداللہ کو ہوٹل چھوڑنے جا رہا تھا تو عبداللہ نے سوال کیا:

''تم کون ہو؟''

''میں ٹونی ہوں۔'' ٹونی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے ٹونی، میں یہ پوچھ رہا ہوں تمہارا مذہب کیا ہے؟''

''اوہ! میں پلا بڑھا کیتھولک فرقے میں ہوں۔''

''کیا مطلب۔ اب کیا ہو؟''

''پتہ نہیں۔ میں پادری و کلیسا سے اِتنا بے زار آ چکا ہوں کہ اپنے آپ کو کیتھولک کہنے کا دل ہی نہیں کرتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی بھی مذہب سے چپکانے کا دِل نہیں کرتا۔

دراصل ہوا یہ کہ بندے اور ربّ کا ڈائریکٹ رابطہ ہونا چاہیے مگر پادری و کلیسا بیچ میں آ گئے۔ میں شاید کبھی بغیر فرقے کے چرچ میں چلا بھی جاؤں مگر اِس خواہش کو بھی سال بیتے کہ پوری نہ ہوئی۔ میں کوئی مذہبی آدمی ہوں ہی نہیں۔ مذہب کا مقصد تو بہتر اِنسان بنانا اور زندگی کے معیار کو بہتر بنانا ہوتا ہے اور مذہب یا آج کل کا مذہب ایسا کر ہی نہیں پاتا اور مجھے تو خود بھی اچھے انسان کی تعریف کرنا نہیں آتی۔ کسے کہتے ہیں اچھا انسان، کیا تمہیں پتہ ہے۔

عبداللہ نے دِل ہی دِل میں کچھ پڑھا اور اِنتہائی آرام وشائستگی سے کہنے لگا۔ٹونی، اِنسان وہ ہوتا ہے جس سے کسی اور کو نقصان نہ پہنچے، جسے یہ پتہ ہو کہ ایک دن مرنا ہے، جسے پتہ ہو کہ اچھائی ہمیشہ اچھائی ہے۔ بھلے ظاہری نتیجہ کچھ بھی نکلے، جسے پتہ ہو کہ پڑوسی، ماں، باپ، بچوں اور اُس خدا کے کیا حقوق ہیں، جس نے اُسے بنایا۔ وہ جو اپنے لین دین اور وعدوں میں دیانت دار اور سچا ہو، جو وعدے نبھانا جانتا ہو، جو جھوٹ نہ بولے۔ جو دوسروں کا بھی اِتنا ہی خیال رکھے جیسے کہ اپنے اہل وعیال کا اور ایک ایسا آدمی جو شہد کی مکھی یا درخت کی طرح دُنیا سے بہت تھوڑا لے اور زیادہ لوٹائے۔

''Wow، تمھیں اِسلام کی بڑی معلومات ہیں۔''

عبداللہ سوچتا رہا کہ کتنا عجیب ہے کہ میں اِنسان کی تعریف کر رہا تھا۔ نہ میں نے حدیث پڑھی نہ قرآن کا حوالہ دیا اور پھر بھی یہ سمجھا کہ میں اِسلام کی بات کر رہا ہوں۔ اِس نے سوچا کہ بندے تو ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں خواہ پاکستان ہو یا امریکہ۔ ایک پیدائشی تڑپ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ خالق تک پہنچے اور سب کے مسائل بھی ایک جیسے، کوئی مولوی صاحب کی عنایتوں کا شکار تو کوئی پادری کے ہاتھوں برباد۔

یہ قصور ہمارا ہی ہے کہ دینِ فطرت کو اِن کی زبان میں اِن تک نہیں پہنچا سکے، ورنہ کیا وجہ ہو کہ اِتنی باشعور، محنتی، عقل سے کام لینے والی اور مجبوریوں سے ماورا قوم اِسلام کو نہ پہچانے، اگر ہم نے اپنا دین ان کی زبان میں ان تک نہ پہنچایا تو وہ کیوں کر مسلمان ہوں گے اگر انھوں نے حشر میں کہہ دیا کہ اللہ ہمیں تو پتہ ہی نہ لگا کہ اِسلام تھا کیا تو ہم کیا کریں۔ ہم نے کوشش کی مگر یہ لوگ خودکش حملوں، مارو مارو کافر مارو سے باہر نکلتے تو کچھ سمجھاتے نہ۔ ہر شخص کی اپنی زبان، اپنی تعریف، اپنے سلوک، اپنے احکام، ہم کون سے والی قسم پہ اِسلام لاتے تو ہم مسلمان کیا کریں گے۔

کیا پتہ ''کوئی مذہب نہیں'' کہنے والے لوگوں کا دِل کب کب دھڑکتا ہو۔ گواہی میں کہ اللہ ہے مگر حواسِ خمسہ اِس کے وکیل ڈھونڈتے رہ گئے ہوں۔ کیا معلوم کتنوں نے ذہن و دِل کی اِس لڑائی میں جان کھودی ہو اور کیا پتہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کس کس کو کیسے کیسے ہدایت سے بہرہ مند فرما

دیا ہو۔ طلب ہو تو اللہ کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے، آخر وہ ربّ ہے، پالنہار ہے، لجپال ہے، پروردگار ہے۔ اِس کو کب کھلتا ہے کہ بندے کو واپس بھیج دے۔

اے اللہ، سب کو ہدایت دے اور مجھے طاقت دے کہ آذر کدے میں اذان دے سکوں۔ تجھے مؤذّنِ حق بلالِ حبشیؓ کا واسطہ، تجھے صاحب النِداء حضرت عبداللہ بن زیدؓ کا واسطہ۔ اے رونے والوں کے ربّ تجھے ان رونے والوں کا واسطہ مجھ سے کام لے لے۔ آمین!

عبداللہ، ہوٹل میں پہنچا اور رات بھر شہری پلاننگ کے سافٹ ویئر کے بارے میں سوچتا رہا۔

پچھلی صدی میں انسان کے اطراف میں بکھری ہوئی چیزوں، سامانِ آسائش و آرائش اور ماحول میں بڑی ترقی ہوئی۔ اُونٹوں کی جگہ ریل، کار اور جہاز آ گئے۔ ایک سے بڑھ کر ایک کار، مکان، فون بستر، کھانے، گھومنے کی جگہیں، کھیل و تفریح کا سامان، غرض ہر چیز پر کام ہوا، ایک چیز جو رہ گئی، جس پہ کام نہیں ہوا وہ ہے اِنسان کی ذات۔ کاش اِس کا عشرِ عشیر بھی اگر انسان بنانے میں لگا ہوتا تو شاید آج دُنیا ایک بڑی اچھی جگہ ہوتی۔

خدا جب شہروں کو دیکھتا ہوگا تو کیسے دیکھتا ہوگا۔ کسے تباہ کرنا ہے کسے بچانا ہے۔ وہ تو ہر ایک کی سنتا ہے۔ اس کی تو سب پر نظر ہے۔

کیا ہم ایسا سافٹ ویئر نہ بنالیں جس میں کاؤنٹی میں موجود ہر شخص کا ڈیجیٹل کلون موجود ہو جس کے پاس اس شخص کی ساری خصوصیات و معلومات ہوں، جو کہ ارتقا کرے وقت کے ساتھ ساتھ، نئی چیزیں سیکھے، بات چیت کرے۔ بڑھے جوان ہو، مر سکے، کچلا جا سکے اور ترقی کر لے۔ کیا ہم جذبات کی نمائندگی کر سکیں گے کمپیوٹر پروگرامز میں، کیا ہم شعور و لاشعور کو الگورتھم میں سما سکتے ہیں۔ کیا ایسی کوئی انفارمیشن ہے جس کے بغیر کام چل سکے۔

کیا ہم اِس ڈیجیٹل دُنیا کو چلا سکیں گے؟ کیا مستقبل میں جا سکیں گے؟ کیا ہم مستقبل میں جا کے ماضی کو یہ بتا سکیں گے کہ اس نے کیا کرنا ہے؟ پودوں اور انسانوں میں بہت سے جینز مشترک ہیں۔ پودوں کو روشنی نہ ملے تو مرجھا جاتے ہیں۔ انسان کی روشنی کیا ہو؟ اللہ کا ذِکر، اور نہ کرے تو؟ مرجھایا ہوا اِنسان کیسا لگتا ہے؟

وہ جن کو پھول خوشبو چاندنی اچھے نہیں لگتے

ہمارے پاس ایسے بھی ادھورے لوگ رہتے ہیں

جتنی تیزی سے عبداللہ کا دماغ چل رہا تھا۔ اس رفتار سے اس کے ہاتھ کی بورڈ پر پروگرام ٹائپ کر رہے تھے۔ صبح تک عبداللہ اپنے سافٹ ویئر کی پروٹو ٹائپ بنا چکا تھا۔

کچھ ہی روز میں عبداللہ کوئی ساڑھے تین سو لوگوں کے سامنے اپنا سافٹ ویئر پیش کر رہا تھا۔ تعریف و خوشامد کا ایک سیلاب تھا جو تالیوں کی گونج میں اُمڈ آیا تھا۔ عبداللہ جلد ہی بے زار ہو گیا۔ اسے پتہ تھا کہ کِبر اور اُس کا اظہار بدترین اخلاقی بیماریوں میں سے ایک ہے۔

عبداللہ نے سوچا کہ یہی کام کرتے رہنا چاہیے۔ خوب پیسے ملیں گے۔ کفر ہو یا اِسلام جڑیں مضبوط کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ جو لوگ اِسلام کے نام پر جھوٹے سچے دعوے کرتے ہیں۔ کل اگر سائبر وار یا نیوکلیئر وار چھڑ گئی تو کیا مسجدوں سے اذانیں دیں گے؟ آپ کی گاڑی میں پیٹرول ختم ہو جائے تو آپ پیسے خرچ کر کے پیٹرول ڈلوا دیتے ہیں۔ نا کہ یہ کہ پورا شہر مسجد میں اکٹھا ہو کر دُعائیں مانگیں کہ اے اللہ، گاڑی چلا دے۔

عبداللہ نے ٹونی اور مارتھا سے واپس آنے کا وعدہ کیا اور پاکستان روانہ ہو گیا۔ ٹونی نے امیگریشن، ویزہ سب کی ذمہ داری اُٹھالی، کمپنی کے لیے سرمائے کے بندوبست کی بھی۔ آج بھی عبداللہ پھر سربسجود تھا۔

''اے اللہ! آپ میری حقیقت کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں اور اے اللہ لوگ جو میری تعریف کر رہے ہیں، میں اِن سے زیادہ اپنی حقیقت کو جانتا ہوں۔ اے اللہ مجھے یہ لوگ جتنا اچھا سمجھتے ہیں، مجھے اِس سے بھی بہتر بنا دے اور اے اللہ میری اِن خطاؤں سے درگزر فرما جن کا علم، اِن تعریف کرنے والوں کو نہیں ہے اور اے اللہ جو کچھ لوگ میری تعریف کر رہے ہیں۔ میرا اِن جملوں پر مواخذہ نہ فرما!

اے اللہ، کمپنی کھولنے چلا ہوں تو کامیابی عنایت فرما۔ اے اللہ تو دُعا کا در کھولتا ہے تو قبولیت کا بھی کھول دے کہ یہی تیری شان ہے۔ آمین!

عبداللہ پاکستان پہنچا تو اسے ایک شخص کی ای میل ملی جس میں اس نے کچھ ادھار کی

درخواست کی تھی۔عبداللہ نے کچھ ہی دیر میں اسے پیسے آن لائن ٹرانسفر کر دیئے۔ جب بلّو کو پتہ لگا تو وہ حیران رہ گئی کیونکہ وہ مانگنے والے شخص کو جانتی تھی اور یہ بھی کہ اس نے سوائے عبداللہ کو نقصان پہنچانے اور حسد کرنے کے کچھ نہیں کیا۔

بلّو نے عبداللہ سے کیا۔عبداللہ کیا ہو گیا ہے تمھیں۔تم دُنیا میں کسی کو پیسے دے دیتے اسے کیوں دیئے کہ یہ تو ہمیشہ تمہیں نیچا دکھانے کی تگ و دو میں رہتا ہے اور سوائے دُکھ پہنچانے کے اِس نے کیا بھی کیا ہے تمہارے ساتھ۔

ٹھیک کہتی ہے بلّو۔ اِسی وجہ سے تو دیئے ہیں۔ میں نے پہلے سوچا کہ جھڑک دوں مگر پھر میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا ایسا کرنے سے میرا نفس خوش ہو گا یا غمگین تو یقین ہو چلا کہ وہ تو خوش ہو گا۔تو میں نے دے دیئے۔ پانچ بڑے فائدے ہوں گے اِس سے:

۱۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا جو توڑے اُس سے جوڑو۔تو ایک تو اِس حدیث پر عمل ہو گیا۔

۲۔ دوم یہ کہ ایک مسلمان بھائی کی مدد ہو گئی۔تو سوچ میرا اس سے جو تعلق ہے اِس کا تو اسے بھی پتہ ہے۔ اِس کے باوجود اگر وہ میرے دروازے پہ آیا تو کوئی تو ایسی مجبوری ہو گی۔ بے بس اور مجبور دُشمنوں سے مقابلہ نہیں کرتے۔انھیں گلے لگاتے ہیں کہ کدورت دُھل جائے۔

۳۔ سوم یہ کہ ایسا کرنے سے میرے دل میں اگر اِس شخص کے لیے کوئی بغض ہوا تو جاتا رہے گا۔

۴۔ چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ شاید اب اس کی زبان بند ہو جائے تو جو میرا وقت فضول اور لغو الزامات سننے میں لگ جاتا تھا اور اُس کے بعد طبیعت پر جو بوجھ آتا تھا وہ اب انشاءاللہ نہیں آئے گا

اور

۵۔ پانچواں اور سب سے بڑا فائدہ یہ کہ ایک دن میں نے بھی کسی کے سامنے جانا ہے۔ اِس نے اگر حساب کتاب پوچھ لیا تو مارا جاؤں گا۔اس نے پوچھ لیا کہ نمازیں کیوں چھٹ گئیں، جھوٹ کیوں بولا۔گناہ کیوں کرتے رہے تو کیا جواب دوں گا۔

میں نے اللہ کے ایک بندے پر جرح چھوڑ دی اُلٹا اُسے نواز دیا، مجھے اُمید ہے میرا اللہ

اِس کا پاس رکھے گا۔ وہ بھی اِن شا اللہ مجھے بغیر جرح کے نواز دے گا۔

بلّو عبادت کی قضاء تو ممکن ہے مگر جو زندگی غفلت میں گزر جائے اُس کا کیا؟ ہر دم اپنی ذات کی نفی کرتے رہنا چاہیے، جو جتنا مٹا، راہِ ہدایت اُس پر اُتنی ہی مرمٹی۔ بلّو جو فقیر غصے میں ہو اِسے بھیک نہیں ملا کرتی۔ غصہ تھوک دینا چاہیے۔

عبداللہ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے:

''اے اللہ، میں نے ان تمام لوگوں کو معاف کیا جو بغیر کسی وجہ کے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، تو بھی مجھے بغیر کسی وجہ کے، معاف کر دے۔ اے اللہ، اِس مُلک میں تو نیتوں کی بھی چوری ہو جاتی ہے۔ میں تیرے لیے کام شروع کرتا ہوں مگر نفس اسے بیچ میں سے اُچک لیتا ہے۔ اللہ مجھے نیتوں کے چوروں سے بچا۔ میں اپنی نیتیں تیری اَمان میں دیتا ہوں۔

اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ تعریف بھی تیرے ہی لیے ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، تیرا کوئی سہیم نہیں۔ میں نے بہت بُرے کام کیے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتا رہا ہوں۔ اے میرے مالک مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ کو قبول فرما بلاشبہ تو توبہ کو بہت قبول فرمانے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔''

عبداللہ کو آج علی الصبح فون کال ملی ماہر بھائی کے پاس سے کہ کراچی والے مولوی صاحب اِسلام آباد سے دو گھنٹے کی دُوری پر ایک گاؤں میں آئے ہوئے ہیں۔ اپنے ہی ایک مدرسے کی گریجویشن میں اور اگر وہ ملنا چاہے تو وہاں چلا جائے۔

عبداللہ نے گاڑی نکالی اور روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب ابھی پہنچے نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے مسجد میں بیٹھ گیا۔ وہاں گریجویشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں، کچھ ہی دیر میں عبداللہ بور ہو گیا۔ خیر مولوی صاحب آ گئے اور فنکشن شروع ہوا۔ مدرسے کے ایک طالبِ علم نے آ کر سیرت النبی ﷺ کی شان میں انگریزی میں تقریر کی۔ لوگوں نے خوب داد دی۔ عبداللہ فنکشن کے آخر میں اِس بچے سے مِلا اور کہا کہ گو کہ اِس کی انگریزی باقی لوگوں کی نسبت بہتر ہے کہ گاؤں میں کسی کو ڈھنگ سے اُردو بولنا نہیں آتی تو انگریزی تو دِلّی ہنوز دُور است۔

عبداللہ نے سمجھایا کہ برخوردار تم سوچتے اُردو میں ہو اور بولتے انگریزی میں ہو اِسی لیے گرامر کی ایسی غلطیاں کرتے ہو کہ حد لگ جائے۔ اِن جھوٹی تالیوں میں آ کر یہ نہ سمجھنا کہ کچھ آ گیا ہے۔ میں تمہیں کچھ کتابیں بھیجوں گا وہ پڑھو اور پھر شہر میں آ کے تقریری مقابلوں میں حصہ لو کہ پتہ ماری کی محنت کرنی پڑے۔

تھوڑی دیر بعد کھانے پر مسجد کے مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہ کراچی والے مولوی صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ کہنے لگے کہ آپ حضرت کو کیسے جانتے ہیں؟ عبداللہ جینز ٹی شرٹ میں ہونے کی وجہ سے پوری مسجد میں انوکھا ہی لگ رہا تھا۔

جی جانتا کہاں ہوں، تعارف ہے۔ جانا تو آج تک اپنے آپ کو بھی نہیں۔

معلوم ہے اِتنا کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم
جانا ہے کہ کیا جانے گا جو جان گیا ہے
(واصف علی واصف)

مہتمم صاحب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا کہ ہمارے حضرت بڑے مقام والے ہیں۔ کیا شان ہے، کیا تقویٰ، ایسے لوگ تو اَب نایاب ہو گئے ہیں جی۔ اللہ کی کیسی کیسی فضیلتیں سمیٹتے ہیں کیا بتاؤں؟

ایسے اچھے ہیں کہ بس کیا بتاؤں؟

عبداللہ نے حدالامکان کوشش کی کہ خاموش رہے مگر ''کیا بتاؤں؟'' کی گردان نے سارے بند توڑ دیئے۔

''اچھا یہ بتائیے کہ آپ اپنے حضرت کی جگہ کب لیں گے؟'' عبداللہ نے سوال داغا۔

''جی کبھی نہیں، وہ کہاں ہم کہاں۔''

عبداللہ نے سوچا اس کا کوئی اسٹوڈنٹ ایسا کہتا تو شاید وہ گولی مار دیتا۔

جناب ہمت کریں، آپ جیسے کم ہمت شاگرد اللہ کسی کو کیا، آپ کو بھی نہ دے۔ ظاہر ہے اِن جملوں کی توقع کسی کو نہ تھی۔

حضرت جی کے خوف سے شاید کچھ رعایت کر لی ورنہ عبداللہ کو آج پھر پھینٹی پڑنی تھی۔

رات کا وقت آیا تو احساس ہوا کہ مسجد میں تو ایک کمرہ ہے جہاں دو لوگ سو سکتے ہیں اور

اس میں ایئر کنڈیشنر ہے۔

مولوی صاحب نے پوچھا کہ ''میں اور آپ کمرہ استعمال کر سکتے ہیں۔''

''نہیں جناب! میں مچھروں میں سوسکتا ہوں۔ روشنی میں نہیں۔''

''وہ آپ کے مرید صاحب کہہ رہے تھے کہ رات کو کوئی فضل و نور کی بارش ہوتی ہے تو اِتنی روشنی میں مجھے نیند کہاں آئے گی۔''

مولوی صاحب ہنسے ہنستے کشتِ زعفران ہو گئے۔ آخر کار عبداللہ کو اکیلے کمرہ دے دیا گیا اور مولوی صاحب دالان میں کھٹیا پر سو گئے۔

عبداللہ اِس مہمان نوازی پر بڑا خوش ہوا۔

صبح نماز کے بعد واپسی تھی۔ فجر میں بچوں کی ایک کثیر تعداد نظر آئی سب کے سب دُھلے دُھلائے پاک صاف سفید کپڑوں میں بالکل اپنے معصوم دِلوں کی طرح۔

عبداللہ نے اللہ کا شکر ادا کیا ہ اگر دلوں کی رنگت کپڑوں پر آ جاتی، اگر رُوح کے زخم کپڑوں پر لگ جاتے تو اس نے سوائے کالے سیاہ چیتھڑوں کے علاوہ کچھ نہ پہنا ہوتا۔

فجر کے بعد عبداللہ نے ایک بچے کو (جس کی عمر کوئی 5 سال سے تھوڑا ہی شرما رہی ہو گی) روک کے پوچھا کہ آپ ہر روز سفید کیوں پہنتے ہو۔

جی۔ وہ، یہ کفن کا رنگ ہے نا! تا کہ موت یاد رہے۔

عبداللہ کا دل پھر بجھ گیا، وہ واپسی یہ سوچتا ہوا آیا کہ اُمید زندگی ہے۔ آس ہے، ہمت ہے۔ اِس عمر میں صرف جینا سکھانا چاہیے۔ موت کے اِنتظار میں بیٹھے لوگ کچھ کم ہی کر پاتے ہیں۔

عبداللہ سارے راستے یہ شعر دُہراتے ہوئے آیا:

نامناسب ہے خون کھو لانا
پھر کسی اور وقت مولانا

آج پھر پیپل بھائی کی باری آئی۔ آج عبداللہ سننے کے موڈ میں تھا۔ لہٰذا گھنٹوں خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر میں عورتوں کا ایک گروپ گزرا جنھوں نے پانی کے مٹکے سروں اور پہلوؤں پر اُٹھائے ہوئے تھے اور خراماں خراماں چل رہی تھیں۔ اتنے میں پاس سے گاڑی گزری۔ ایک

عورت اچانک آواز سے دھڑکی اور سر سے مٹکا اُڑ کے زمین پہ آیا اور دھڑام سے ٹوٹ گیا۔ ٹوٹے ہوئے مٹکے کے ایک نسبتاً بڑے سے ٹکڑے میں صرف اِتنا پانی رہ گیا۔ جتنا کہ بوڑھے باپ کے پاس جوان بیٹی بیاہنے کے بعد مال گھر پہ بچتا ہے۔

دھیمی چال والوں کا ٹولہ گزر گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک گلہری آئی اور پانی پی کر چلی گئی۔ عبداللہ کی آنکھ سے اتنے آنسو نکلے کہ پیپل درخت کی ساری میموری ہی واش ہوگئی ہوگی۔

وہ سوچنے لگا کہ ہم بھی پانی کی طرح اعمال جمع کرتے رہتے ہیں۔ تقویٰ کے مٹکے میں اور جن کا مٹکا جتنا بھاری ہوتا ہے وہ اتنے ہی آرام سے پیر اُٹھاتے اور رکھتے ہیں کہ گھاس بھی نہ دبے اور جو لوگ عبداللہ کی طرح کھلنڈرے ہوتے ہیں وہ اُچھل کود میں مٹکا تڑوا بیٹھتے ہیں، پھر کوئی آ کے سیراب ہو جائے تو اللہ کی شان۔ قرآن میں اللہ نے اپنی ایک صفت ذِی المعارج (سیڑھیوں والا) بتائی ہے کہ مومن کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہر سیڑھی پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پاتا ہے اور عجائب در عجائب کی ایک نئی دُنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ شکر کا دروازہ کھول دے اور نعمت کا بند کر دے۔ تصوّف نام ہی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور وعدہ وعید کو جاننے اور ان پر یقین کا ہے جیسے جیسے اِس یقین پر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بندے کو اپنے ساتھ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہوتا رہتا ہے اور یہ احساس شریعت پر پابندی کو آسان بنا دیتا ہے۔

عبداللہ کو لگا کہ اُس کا مٹکہ پہلی سیڑھی پر ہی ٹوٹ گیا اور وہ پچھلی دو دہائیوں سے وہیں بیٹھا ہے۔ یہاں صرف سوال اُگتے ہیں اور عبداللہ سوالوں کی فصل کاٹتے کاٹتے تھک چکا تھا۔ ہر جواب کا ایک وقت ہوتا ہے۔ سوال کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔

عبداللہ کی حالت اِسی بھکاری کی سی تھی جو جب تک نہ ٹلے جب تک اسے دروازے سے کچھ مِل نہ جائے۔ ویسے بھی جس شخص کی کُل کائنات یقین ہو۔ اسے ہار جانے کا خوف نہیں رہتا۔ عبداللہ کو کچھ اطمینان تھا کہ جب رُوح قبض ہوگی تو بھلے پہلی سیڑھی ہی کیوں نہ سہی، راستے میں تو بیٹھا تھا، اللہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کا خوب خیال رکھتے ہیں۔

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

کئی روز گزر گئے۔عبداللہ مٹکا ٹوٹ جانے والی بات میں محو تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیونکر اُٹھے، کیسے پھر سے بھرے، کیسے نہ ٹوٹنے دے۔

دل میں خیال آیا کہ ان کے پاس چلا جائے جن کے پاس پانی کی ٹنکیاں ہوتی ہیں تا کہ سیراب ہو سکے۔تو بیعت کے لیے صحبت ضروری ہے۔سیکھنے کے لیے کسی زندہ آدمی سے تعلق رکھنا ہی پڑتا ہے۔کتابیں اور فیس بک کا فائدہ تھوڑا ہی ہے جو علم اور اللہ کی معرفت صحبت سے ملتی ہے۔ کتاب اُس کا دھوکا ہوتی ہے۔معرفتِ الٰہی مشینوں سے ملا کرتی تو ہر شخص ولی اللہ ہوتا۔

کبھی کبھی رُوح پر بھی فالج گر جاتا ہے اور آدمی کو نیکی یا برائی کی تمیز ہی نہیں رہتی۔

عبداللہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔

''اے اللہ، اے اللہ سائیں۔ٹوٹے ہوئے مٹکے والوں کو معاف کر دے۔میرے ٹوٹے ہوئے برتن میں پانی ڈال دے۔

اے اللہ دل صحرا ہو گیا ہے۔اسے سیراب کر۔

اِس کو مدت سے کوئی قیس نہیں ملتا تھا
میری دہلیز پر صحرا کو ضرورت لائی

اے اللہ، کمپنی چلانے کے لیے اچھے لوگ چاہئیں۔اچھے مرد چاہئیں جنھیں تو نے قرآن میں رجال کہا ہے۔اے اللہ، لوگ تجھ سے صلاح الدین ایوبی اور محمود غزنوی کا سوال کرتے ہیں۔ میں تجھ سے ڈیٹا سائنٹسٹ مانگتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ نتیجہ وہی آئے۔

اللہ ایسے لوگوں سے میری مدد فرما جو سمندر کی گہرائیوں سے اتھاہ ہوں اور ہمت ایسی کے پہاڑ بے بس نظر آئیں۔

اللہ عافیت فرمائیں۔اللہ میں تیری سلطنت میں تنہا رہ گیا ہوں۔ اجنبی ہوں، میری اجنبیت کا خیال کر، اگر میں یہ جان لیتا کہ مجھے عذاب دے کر تیری سلطنت کو بڑھاوا ملے گا تو میں کبھی اپنی معافی کا طلبگار نہ ہوتا۔ میں تجھ سے بخشش کا سوال ہرگز نہ کرتا۔ مگر اے شہنشاہ، تیرے سوا کوئی جائے اُمید نہیں، کوئی ٹھکانہ نہیں، کوئی جائے پناہ نہیں۔ تو صرف وصرف اپنے کرم سے بخش دے۔

میرے اللہ، قیامت میں سب چلے جائیں گے جنت میں جنھیں تو نے چاہا۔ جنھیں نہ چاہا وہ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ مجھے اپنے اعمال سے خطرہ ہے کہ صرف میں پیچھے رہ جاؤں گا سخت ترین سزا کے لیے۔ میرے گناہ ہوں گے اور تیری رحمت اور تو باقی رہے گا۔ باقی سب فانی۔ میرے گناہوں کو بھی فنا کر دے۔

اے اللہ! تو اپنے نمازی بندوں کے اعضائے سجدہ کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرما دیتا ہے اور درحقیقت محفوظ فرمانے والا تو ہی ہے۔ اے بے بنیاد ذات بے پرواہ مالک کے لیے قصوروار غلام کو آزاد کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے۔ اپنے اِس فانی غلام پر احسان فرما اور اعضائے سجدہ کی طرح باقی جسم کو بھی جہنم سے محفوظ فرما دے!

ٹوٹے ہوئے برتن میں پانی ڈال دے میرے اللہ!

آمین!''

آج عبداللہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کی کمپنی امریکہ میں رجسٹرڈ ہوگئی تھی، اسے فیملی سمیت ایکسٹرا اور ڈنری ویزہ مل گیا تھا اور ڈیٹا سائنسز کے ایک آن لائن کورس میں وہ دُنیا میں ٹاپ ٹین میں آ گیا تھا۔

عبداللہ نے پڑھائی اور بڑھا دی اور امریکہ واپس شفٹ ہونے کی پلاننگ کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے ایک بار اور اعتکاف میں بیٹھ جائے مفتی صاحب کے ساتھ۔

ابھی عبداللہ امریکہ میں کمپنی کی پلاننگ ہی کر رہا تھا کہ اسے امریکہ کی ہی ایک بڑی کمپنی سے جاب کی آفر آ گئی۔ تنخواہ اور مراعات اِتنی زیادہ کہ عبداللہ شاید زندگی بھر میں اپنی کمپنی سے اتنے پیسے نہ کما سکے۔

عبداللہ کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ تنخواہ اس کی مارکیٹ ویلیو سے کم از کم چار گناہ زیادہ تھی۔

عبداللہ نے کچھ ریسرچ کرنے کا سوچا۔ ہفتے بھر کی محنت رنگ لائی۔ اُس نے دیکھا کہ جس کمپنی نے اِسے جاب دی ہے جس پوزیشن پر وہاں کوئی سال سے زیادہ نہیں ٹکا اور تمام لوگ جنھوں نے وہاں سروس کی وہ سارے مسلمان ممالک سے ہی تھے۔ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک امریکی کمپنی میں ۱۰ سالوں سے بھی زائد عرصے میں کوئی امریکن جاب کے لیے نہیں مِلا۔ عبداللہ نے ڈھونڈ ڈھانڈ کے تین لوگ ایسے نکال ہی لیے جنھوں نے ملتی جلتی پوزیشن پر کام کیا تھا۔ عبداللہ نے باری باری سب سے بات کرنے کی ٹھانی۔ بات کرنے کے بعد جو حقیقت سامنے آئی وہ اِنتہائی تلخ تھی۔ یہ تمام لوگ اپنے اپنے ملکوں کے دماغ تھے۔ ان سب کو چار (۴) سے دس (۱۰) گنا زیادہ کی جاب دی گئی۔ یہ سب بیوی بچوں کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو گئے۔

زیادہ پیسہ زندگی میں ایک نیا لائف اِسٹائل لایا۔ بیویاں ماڈرن ہو گئیں، بچوں کو بڑے آرام دہ گھروں، موبائل فونز اور مہنگے کمپیوٹرز کی عادت پڑ گئی اور پھر اچانک بغیر کسی وجہ کے انھیں نوکریوں سے نکال دیا گیا۔ اب نہ مہنگے گھروں کی اقساط دے پائیں۔ نہ بیوی بچوں کا لائف اسٹائل۔ اتنی بڑی تنخواہ سے فارغ ہوئے اور مارکیٹ میں کوئی ۱۰ فیصد تنخواہ بھی آفر نہ کرے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ گھر بینک لے گیا۔ کار شوروم لے گیا۔ بیوی میکے چلی گئی۔ ننھیال بچے لے گیا اور پیچھے بچا یہ شخص اپنی کامیابیوں کے قصے سناتے اور حالتِ زار کا نوحہ کرتے۔

کیا زبردست آئیڈیا۔ کچھ لاکھ ڈالرز کے عوض کسی ملک سے اس کا بل گیٹس چھین لیا تو کسی سے اُس کا محمد علی جناح، کسی سے مدر ٹریسا اُٹھالی تو کسی سے نیلسن منڈیلا اور سال بھر میں انھیں ذہنی مریض بنا کر چھوڑ دیا۔ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ یہ کہاوت عبداللہ کو آج سمجھ آئی۔ عبداللہ نے نہایت شائستگی سے جاب کا اِنکار کر دیا۔

آج عبداللہ اپنے ایک دوست کے ساتھ پشاور گیا۔ وہاں یونیورسٹی میں اسے لیکچر دینا تھا مگر معلوم ہوا کہ ایک اِسلامی جماعت کے طلباء نے ہڑتال کی ہوئی ہے۔ کیمپس میں فیس بک کے خلاف کہ اِس پر نبی ﷺ کی شان میں کچھ پیجز ہیں لہٰذا فیس بک بند کر دی جائے۔

عبداللہ نے پوری کوشش کی کہ تعلیم خراب نہ کرو۔ علم ضروری ہے، علم بندے کی جہالت کا تعین کرتا ہے۔ علم شعور وانسانیت سکھاتا ہے، مگر طالبِ علموں کا اصرار تھا کہ جاہل رہ جائیں گے لیکن فیس بک اور یوٹیوب بند کروا کے ہی چھوڑیں گے۔ ایک طالبِ علم آگے بڑھا اور نعرہ مارا، ہم اُمی نبی کے اُمی پیروکار ہیں، کیا ہوا اگر جاہل رہ گئے۔

عبداللہ کے کانوں میں تو جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ہی ڈال دیا ہو۔ شدتِ غم سے وہ زمین پہ بیٹھ گیا۔ زبان خاموش ہوگئی اور آنکھوں نے بولنا شروع کر دیا۔ دوست نے جلدی سے گاڑی میں ڈالا اور واپسی کی راہ لی اسے ڈر تھا کہ عبداللہ نے اگر پھر کچھ بول دیا تو لڑکے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ عبداللہ راستے بھر سوچتا رہا اور روتا رہا کہ اُمی کے معنیٰ جاہل، اَن پڑھ یا غافل کیسے ہو گئے۔

قرآن میں وادیٔ مکہ کے لیے ''اُم القریٰ'' کے الفاظ دو (۲) بار آئے ہیں تو مطلب ہوا اُمی کا، مکہ کا رہنے والا۔

اُمی ہر اُس چیز کو بھی کہتے ہیں جو دوسروں کی تربیت کر سکے۔ ماں کو اُم کہتے ہیں۔ رسالت پناہ ﷺ پوری کائنات کے مصلح ومربی بنے۔

اور ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ نے محمد ﷺ کو پوری دُنیا کے لیے ہدایت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اب اگر کسی شخص کو ان کے تلقین کردہ فرمودات سے بھی ہدایت ویقین نہ ملے تو اُسے بے یقین ہی

مرجانا چاہیے۔

وہ سوچنے لگا کہ آج کل کے دورِ فتن میں اِسلام کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے کا نعرہ لگانے والے یہ کیوں نہیں کہتے کہ غلامی رسول میں علم قبول ہے۔ جھوٹ سے نفرت ہے۔ اب کیا ٹریفک لائٹ پر رُکنے کے لیے بھی اِسلامی مملکت کا اِنتظار ہے یا لائن بنانے کے لیے بھی امیر المومنین کی ضرورت ہے؟

مسلسل خواب کی تعبیر کیا ہو
تمہارے جاگنے پر بات ہو گی

آج اعتکاف کا پہلا دن تھا اس بار عبداللہ کے کوئی سوال نہیں تھے وہ جب مفتی صاحب کے سامنے جاتا تو سوال خود بخود غائب ہو جاتے۔ پچھلے سال اور اِس سال کے عبداللہ میں بڑا فرق تھا۔

مفتی صاحب کہہ رہے تھے کہ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ فقیہہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا دل دُنیا کی محبت سے پاک ہو۔ اپنے دِین اور مسلک سے صحیح معنوں میں باخبر ہو اور ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں لگا رہے۔

عبداللہ خاموشی سے عبادت میں لگا رہا، بہت بہترین لوگ تھے، بہت عمدہ ماحول۔ عبداللہ کے ساتھ ایک نابینا شخص اعتکاف میں بیٹھے تھے، عبداللہ کی اُن سے خوب بنی۔ وہ ہر وقت پوچھتا رہتا کہ آپ اپنے احساسات سے دُنیا کو کیسے دیکھتے ہیں؟

عبداللہ فجر کے بعد بھی کافی دیر سے سویا اور جب آنکھ کھلی تو نچلی منزل سے اقامت کی آواز آ رہی تھی، بھاگم بھاگ جا کے نماز میں شامل ہوا، اور بڑا افسوس ہوا دیر سے پہنچنے کا۔

عبداللہ پورا دن عباس تابشؔ کی یہ غزل گنگناتا رہا:

دہکتے دن میں عجب لطف اُٹھایا کرتا تھا
میں اپنے ہاتھ کا تتلی پہ سایا کرتا تھا
ہمارے گھر کے قریب ایک جھیل ہوتی تھی
اور اس میں شام کو سورج نہایا کرتا تھا
یہ زندگی تو مجھے تیرے پاس لے آئی
یہ راستہ تو کہیں اور جایا کرتا تھا

خُمار عشق میں اس حد کو جایا کرتا تھا
میں اس کا جھوٹ بھی سچ کر دکھایا کرتا تھا
میری جو اُنگلیاں اکثر فضا میں چلتی تھیں
میں راہ چلتے ہوئے گھر بنایا کرتا تھا
کہیں میں دیر سے پہنچوں تو یاد آتا ہے
کہیں میں وقت سے پہلے بھی جایا کرتا تھا

آج اعتکاف کا نواں دن تھا۔ دن کب گزرے پتہ ہی نہ چلا۔ عبداللہ کچھ پریشان تھا سوچ رہا تھا اگر معافی نہ ملی تو ساری محنت اکارت جائے گی۔

اس نے سوچا کہ کسی سخی کے دروازے پہ کوئی بیٹھ جائے ۱۰ دن تک تو اسے بھی بھیک مِل جاتی ہو گی۔ وہ بھی در پہ پڑا ہے۔ معافی اِن شااللہ لے کر ہی جائے گا۔ اِن شااللہ شک کے بدلے، ثبوت کے طور پر بولا جائے تو دُعا کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ انھی سوچوں میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ عبداللہ تیزی سے دستر خوان پھلانگتے ہوئے چلا گیا اور جماعت میں شامِل ہو گیا۔ اُسے بعد میں اپنی حرکت کا بڑا دُکھ ہوا کہ دستر خوان پھلانگنا نہیں چاہیے تھا۔

اگلے روز مفتی صاحب نے اسے بلا بھیجا فجر کے بعد اور کہنے لگے:

''کیا آپ کو بھی بتانا پڑے گا کہ دستر خوان نہیں پھلانگتے۔''

عبداللہ کے منہ سے کچھ نہیں نکلا۔ وہ سوچنے لگا کہ یا اللہ میں کب کب کہاں کہاں کون سی حدیں پھلانگتا ہوں۔ انھی کیا پتہ لیکن آج کے بعد شاید کچھ بھی نہ پھلانگ سکوں کہ ان کا یہ جملہ یاد آئے گا۔

اعتکاف ختم ہونے میں کچھ ہی گھنٹے رہ گئے تھے۔ عبداللہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔

یہ بات تیرے عشق نے سکھلائی کہ دُنیا
کچھ اور ہے محروم و میسر کے علاوہ

اے اللہ! میں تیرے ہر عیب سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ تیری حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور ایسی پاکیزگی وحمد وثنا جس کی تعداد تیری مخلوق کے برابر ہو اور ایسی پاکیزگی وحمد وثنا جس سے تو

خوش ہو جائے، اور ایسی پاکیزگی وحمد وثنا جو اپنے وزن میں عرش کے وزن کے مساوی ہو اور ایسی حمد وثنا جسے لکھنے کے لیے اتنی ہی روشنائی درکار ہو جتنی روشنائی تیری تعریف کے جملوں کو لکھنے کے لیے مطلوب ہے۔

اے اللہ معاف فرمادے۔ اعتکاف قبول کرلیں۔ پروردگار لوگ بھول گئے ہیں۔ تو تو نہیں بھولا۔ اللہ دل پتہ نہیں کس کس کی عبادت میں گرفتار ہے، مجھے سب سے ُچھڑا کے صرف اپنا بنا لے۔

اے اللہ، سفر درپیش ہے۔ اذان کی نیت ہے۔ میرے اللہ کمپنی چلا دے پیسوں میں سے تیری راہ پہ بھی لگاؤں گا اِن شاءاللہ۔

اللہ دعویٰ دلیل مانگتا ہے مجھے میرے وعدے پہ قائم رکھیو۔

اللہ کِبر سے بچا، تیرا نام لے لے کے اپنی تعریفیں کرنے سے بچا، تیرے ذمہ کوئی جھوٹ لگاؤں اِس سے بچا، تقویٰ کی تشہیر سے بچا، محبت کے چھٹ جانے سے بچا۔ نعمتوں کے چھن جانے سے بچا۔ تو مولا ہے۔ اَنت مولانا۔ میں تیرا بندہ، تجھ سے نہ کہوں تو کدھر جاؤں۔ اللہ پورے مُلک میں کوئی تمیز کا اسکول باقی نہیں بچا۔ اللہ تیاری کرنی ہے۔ مالک جب نوکر کو سبزی لینے بھیجتا ہے تو پیسے دے کے بھیجتا ہے، مجھے بھی پیسے دے، فضل کر، برکت ڈال میرے وقت میں میرے مولا۔ صرف تیرے در پہ بھیک مانگتا ہوں۔

اللہ سائیں، میں ایک ہوٹل میں گیا تو پتہ لگا کہ سالن آپ کوئی سا بھی لے لو روٹی ساتھ میں مفت گریوی میں۔ اے اللہ تو مجھے اپنی معرفت دے۔ اپنی صفتِ علم سے میری ٹریننگ فرما، مجھے اِخلاص دے، مجھے اُمت کا درد دے، مجھے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی محبت دے، اور گریوی میں دُنیا بھی دے دے میرے مالک۔

اللہ تیری ہی طرف ہجرت کر رہا ہوں تجھے تو پتہ ہے۔

تو قبول فرما۔

آمین۔ ثم آمین!

عبداللہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہوائی جہاز میں بیٹھا تھا اور اُس کا قلم پھر چل رہا تھا۔

- یہ گوانتانا موبے سے چھٹنے والا ہر قیدی مولوی کیسے بن جاتا ہے؟ کہ دُنیا گھوم گھوم کے لیکچرز دیتا ہے؟
- یہ امریکہ کی مسجدوں میں جو درس دیتے ہیں کہ سوائے اپنے بیوی بچوں کے علاوہ کچھ نہ سوچو تو اِنھیں اِمام منتخب ہی کون کرتا ہے؟

(ایسے لوگ جو اپنی ذات سے ایک اِنچ آگے نہ سوچ سکیں انھیں امامت ملنی ہی نہیں چاہیے۔)

- ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بار بار نماز کی تلقین کرنے کے باوجود نماز نہ پڑھنے والا بچہ، بغیر یاد دہانی کے اسکول کا ہوم ورک کر لیتا ہے؟
- یہ تکبر کی کون سی قسم ہے جس میں بندہ کہتا ہے کہ ''نہیں نہیں، میں اِس قابل کہاں، میں تو ایک گناہگار شخص ہوں؟''
- جو زندگی غفلت میں گزر جائے اس کی سزا کیا ہو؟
- جسے اللہ نہیں ملتا اُسے کون ملتا ہے؟
- جسے اللہ مِل جائے اُسے کیا نہیں چاہیے ہوتا؟
- کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جن سے اللہ راضی ہو جاتے ہیں؟
- وہ گناہ جو اللہ کے خوف سے ادھورے رہ گئے ان کا زیادہ ثواب ہے یا وہ نیکیاں جو دِکھاوے میں پوری ہو گئیں؟
- اللہ سے اللہ کو کیسے مانگتے ہیں؟

پائلٹ نے جہاز جان ایف کینڈی ایئرپورٹ پر اُترنے کی اناؤنسمنٹ کی۔

پھرتا ہے سوالات لیے پورے شہر میں
اندر کا مسافر ہے جستجو کے سفر میں

———

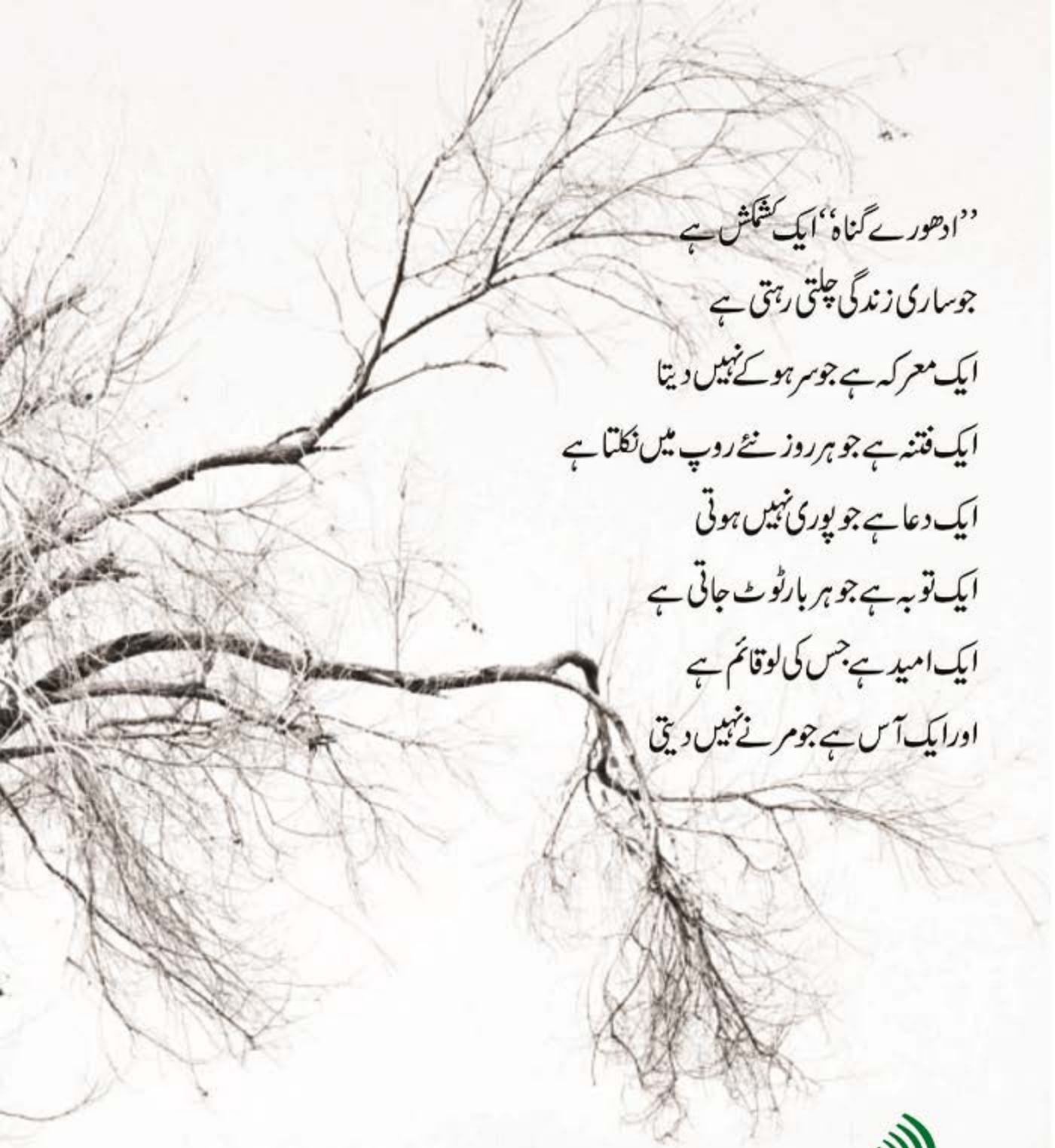

''ادھورے گناہ'' ایک کشمکش ہے
جو ساری زندگی چلتی رہتی ہے
ایک معرکہ ہے جو سر ہو کے نہیں دیتا
ایک فتنہ ہے جو ہر روز نئے روپ میں نکلتا ہے
ایک دعا ہے جو پوری نہیں ہوتی
ایک توبہ ہے جو ہر بار ٹوٹ جاتی ہے
ایک امید ہے جس کی لو قائم ہے
اور ایک آس ہے جو مرنے نہیں دیتی

Narratives Pvt.Ltd

پوسٹ بکس نمبر : 2110 اسلام آباد
فون : 051-2291586
ای میل : info@narratives.pk
ویب سائٹ : narratives.pk

ISBN:
Price: